چینی سوشلزم

(از جناب ریاض الحسن صاحب)

جو جماعتیں یہ یقین رکھتی ہیں کہ اللہ کا دین مکمل ہو چکا، اور ہمیں خالص اسلامی نظام کے سوا کسی کافرانہ نظام کے نظریات اپنانے کی ضرورت نہیں، ان پر اکثر یہ الزام تھوپ دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ چونکہ سوشلزم کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے دراصل یہ چین کے دشمن ہیں اور چین کی پاکستان سے دوستی کو پسند نہیں کرتے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آج جو لوگ اپنے کو چین کی دوستی کا علمبردار کہہ رہے ہیں، ان کی اکثریت اب تک امریکہ نواز رہی ہے، بلکہ امریکی اور انگریزی تہذیب کو تو یہ اِس وقت بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں، جس بات میں فائدہ دیکھتے ہیں اور جہاں سے حصولِ دنیا کی اُمید بندھتی ہے اسی طرف ہو لیتے ہیں۔ نہ ان کا کوئی دین ہے نہ ضمیر۔

ایک زمانہ تھا کہ ترکوں نے جرمنی سے دوستی کی تھی اور ان سے مل کر جنگ عظیم اول میں حصہ بھی لیا تھا۔ مگر اس دوستی کی بنا پر انہوں نے عیسائیت کو نہیں اپنایا نہ "اسلامی عیسائیت" قسم کی کوئی اصطلاح

(بقیہ معیشتِ اسلام)

اس لیے غور و فکر کا متقاضی ہے کہ اسلامی تاریخ میں عملی تفصیلات و جزئیات کے طے کرنے کا کام ہر دَور کے لحاظ سے ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا یہ نازک اور محنت طلب کام وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں مناسب یہ ہے کہ اُن تدابیر کا جائزہ لے کر احاطہ کر لیا جائے جو آج اسلامی نظام معیشت کے عملی نفاذ اور تشکیلِ جدید کی ابتدا کے لیے ضروری بھی ہوں اور جائز و مباح بھی۔

(باقی)

ایجاد کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے بہت سے اکابر نے انگریزوں سے تعاون کیا لیکن ایک مغلوب و مفتوح قوم کی حیثیت سے غالب و فاتح قوم کے ساتھ تعاون کرنے کے باوجود نہ انہوں نے انگریزوں کے مذہب کو قبول کیا نہ اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری کا تصور تک کبھی ان کے دماغ میں آیا۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے علانیہ عیسائیت کی مخالفت کی، مغربی تہذیب پر تنقیدیں کیں اور اسلام پر عیسائی پادریوں اور مغربی مصنفین کے حملوں کا جواب دیا۔

آج جبکہ پاکستان ایک آزاد ملک ہے، کسی مغربی یا مشرقی قوم کا محکوم نہیں ہے، اور کسی قوم کی دوستی کا فائدہ اگر پاکستان کو پہنچ رہا ہے تو پاکستان کی دوستی کا فائدہ اس قوم کو بھی پہنچ رہا ہے، ہمارے ہاں یہ عجیب و غریب قسم کے ذہنی غلام پیدا ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ چین کی دوستی کی خاطر، یا اس کی امداد کے شکریے میں چینی نظام کو بھی اپنا لو، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ سوشلزم کی مخالفت چین کی دشمنی کی ہم معنی ہے۔ ایسے غلام ہماری تاریخ میں کبھی پیدا نہ ہوئے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ چین اور پاکستان میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اس کے اصل موجب وہ لوگ ہونگے جو یہ کہتے ہیں کہ چینیوں کی دوستی کے ساتھ ساتھ ان کے نظام کو بھی اپنا لو۔ جب یہ لوگ اسلام کے اقتصادی نظام کے بجائے سوشلزم کے اقتصادی نظام کے نفاذ کے لیے آواز اٹھاتے ہیں اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں تو اسلامی نظام کے حامی بھی مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ اصل حقیقت کو واضح کریں۔ اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چین یا پاکستان کی دوستی میں رخنہ پڑے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر یہودیوں سے معاہدہ کیا اور تعلقات استوار کیے تو ان تعلقات کے باوجود اسلام کی تبلیغ بھی جاری رکھی اور قرآن مجید میں یہودیوں کی غلطیوں کی وضاحت بھی کی جاتی رہی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین نصیحت ہے۔

مسلمان تو اپنے سگے بھائی کو بھی راہِ حق کی تلقین کرتا ہے۔ پھر بھلا اگر وہ دوست کو سیدھی راہ نہ دکھاتے اور اس کے عیوب اس پر واضح نہ کرے گا تو کیا دشمن کو نصیحت کرنے جاتے گا؟ مسلمان تو پیدا ہی تبلیغ کے لیے ہوتا ہے۔ سچا مسلمان یہ ہرگز نہیں کر سکتا کہ کسی کی دوستی کا دم بھی بھرے لیکن اس کی آستین میں جو سانپ گھسا ہوا ہو اس کی طرف اشارہ نہ کرے۔ سچے دوست کا فرض یہی ہے کہ وہ

اپنے دوست کو خطرہ سے آگاہ کر دے چاہے یہ بات دوست کو کڑوی ہی کیوں نہ معلوم ہو۔

اسی نصیحت، ہمدردی اور انسان دوستی کے جذبے کے تحت ہم چینی سوشلزم کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ حقیقت ان پر واضح ہو جائے اور ممکن ہے کہ بات ان کی سمجھ میں آجائے ہمیں پوری امید ہے کہ تعصب سے بالاتر ہو کر جو شخص بھی ان واقعات کو دیکھے گا وہ حق کو پالے گا۔ اس کے لیے ہم خود سوشلسٹ مصنفین اور چین کے دوستوں کے مضامین پیش کرتے ہیں۔

<u>چین میں طالب علموں کی حالت</u> | طارق علی پاکستانی جو بائیں بازو کے سوشلسٹ لیڈر ہیں ان کی مرتب کردہ کتاب NEW REVOLUTIONARIES یعنی "نئے انقلابی" ہم کو چین کے طالب علموں کی حالت یوں سناتی ہے:-

"۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۲ء کے دوران چینی طالب علموں کی خاص طور پر حالت بہت ہی ناگفتہ بہ تھی۔ خوراک کی بے حد قلت تھی۔ شنگھائی کی ایک طالبہ نے مجھے بتایا کہ ۱۹۶۰ء کے پورے سال کے دوران مجھے صرف ایک مرتبہ گوشت کھانا نصیب ہوا ہے[1]۔ سرکاری حکم نامہ میں جسمانی محنت کرنے والوں اور دوسروں کی خوراک کی مقدار کیلوریوں میں مقرر ہو گئی۔ بعض یونیورسٹیوں میں پڑھائی بالکل ختم ہو گئی اور ان کو ہدایت کی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت بستروں پر گزاریں تاکہ ان کی طاقت خرچ نہ ہو۔ دوسری یونیورسٹیاں بالکل بند کر دی گئیں اور طالب علموں کو کمیونیوں میں مزدوری کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔" (صفحہ ۱۱۹)

<u>چینی سوشلزم اور عوام کی درگت</u> | مذکورۂ بالا مصنف مزید لکھتا ہے:

"۱۹۶۶ء کے دور میں پارٹی اور نوجوان کمیونسٹ لیگ ایک ایسی بند دکان ہو کر رہ گئی جو صرف ان کے لیے تو کھلی ہوئی تھی جن کے والدین پارٹی کے ممبر تھے لیکن اس کے دروازے دیہاتی کاشتکاروں کے لیے اکثر بند رہتے تھے۔"

---

[1] یاد رہے کہ چین میں چھپکلی، مینڈک، چوہے، سوئر، سانپ وغیرہ بھی مرغوب غذا کے طور پر کھائے جاتے ہیں۔ تو گویا کیڑوں مکوڑوں اور مینڈکوں کا گوشت بھی سال میں بمشکل ایک مرتبہ نصیب ہو سکا۔

"..... جون ۱۹۶۶ء میں جو ثقافتی انقلاب کا اولین دور تھا پیکنگ کے لڑکیوں کے ٹمڈل سکول کی طالبات نے یہ سب شکایات سنٹرل کمیٹی اور چیئرمین ماؤ کو لکھ کر بھیج دیں۔ اس خط میں شکایت کی گئی تھی کہ اعلیٰ تعلیم کا تمام داخلہ رجعت پسندوں کے کنٹرول میں ہے اور حکومت کو مشورہ دیا کہ مڈل اسکول کی تعلیم کے بعد سب طالب علموں کو اپنے اوقات کا خاص حصہ فوجیوں اور کاشت کاروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے گزارنا چاہیے ... مزید یہ کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ کاشت کاروں اور فوجیوں کی سفارشات پر ملنا چاہیے۔ ماؤ وغیرہ نے یہ سمجھا کہ یہ خط طالبات نے خود نہیں لکھا بلکہ لکھوایا گیا ہے۔ ایک ہفتہ میں اعلان ہو گیا کہ ۶ ماہ تک کسی طالب علم کو داخل نہیں کیا جائے گا۔ جن لوگوں کو یونیورسٹی یا کالجوں میں داخلہ ملنا تھا ان کو فیکٹریوں یا کمیونوں میں کام کرنے کی ہدایات بھیج دی گئیں۔ سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کی وجہ سے نچلے درجے کے طالب علموں کو پرانے بدلے نکالنے کا موقع مل گیا۔"

پروفیسروں اور استادوں کی درگت "اب طالب علموں کو موقع مل گیا ہے کہ وہ استادوں سے پرانے انتقام لیں اور مالی خرد برد، زنا کاری، غیر پرولتاری پیانو بجانے اور بیویوں کے لیے مغربی عطر خریدنے اور اسی طرح کے قسم قسم کے جرائم کا الزام پروفیسروں اور پرنسپلوں پر لگائیں۔ اب بہترین اتھارٹی یعنی خود ماؤ صاحب کی اتھارٹی پر بھی یہ الزامات لگائے جاتے تھے کبھی یہ الزام ٹھیک بھی ہوتے اور کبھی غلط۔ ریڈ گارڈز کو ہمت دلائی جاتی کہ وہ بورژوا (درمیانہ طبقہ کے) استادوں کو سولہ اصولوں کے مطابق تعلیم دیں لیکن انقلاب کے عروج کے زمانے میں یعنی ۱۹۶۶ء کے موسم خزاں میں ان اصولوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ بہت ہی قابلِ گرفت ظلم و ستم ہوئے۔ لیکن اس وقت حکومت حتیٰ کہ ماؤ صاحب خود بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ بہت سے انقلابیوں نے غلط طریقے استعمال کیے اور غلط لوگوں پر حملہ کیا۔ تشدد کے عروج کے زمانے میں لن پیاؤ نے اعلان کیا کہ کسی کو

مار اٹھایا نہ جائے۔ حالانکہ مارپیٹ تو باری ہو چکی تھی۔ اب جبکہ سہ رکنی اتحاد قائم ہو گیا تھا تو چین کے قیمتی اور اعلیٰ درجہ کے استاد بیت الخلا صاف کرنے اور کوئلہ اٹھانے کے کاموں پر سے واپس بلائے جا رہے تھے[1] اور ان کو لیکچر دینے کے کام پر دوبارہ فائز کیا جا رہا تھا۔

"۔۔۔ جب تعلیمی نظام اس تعطّل کے بعد پھر دوبارہ قائم ہو گا تو استاد اور شاگرد میں زیادہ برابری قائم ہو جائے گی۔ اور نظریہ اور عملی تعلیم میں توازن قائم ہو جائے گا یعنی کہ آدھا دن اسکول میں گزارا جائے گا اور آدھا دن فیکٹری یا کھیتوں کے کھیت میں۔ مزید ماؤ کی سیاست اسباق اور کورسوں میں زیادہ داخل ہو جائے گی[2]"

"ماؤ صاحب کیوں طالب علموں کی طاقت کی امداد لینے پر مجبور ہو گئے اور طالب علموں کو اپنی سیاست کے لیے کیوں گھسیٹا گیا؟ اس کو جاننے کے لیے پچھلے واقعات دیکھنے پڑیں گے۔۔۔ ۱۹۶۲ء میں ماؤ کو کہا گیا کہ اب وہ ریٹائر ہو جائیں اور سیاسی طور پر ان کی کرسی خطرہ میں پڑ گئی[3]۔ ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیانی عرصہ میں کیا ہوا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ اس دوران میں ماؤ کی مخالف طاقتیں مضبوط ہوتی گئیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ۱۹۶۶ء میں ماؤ کو کرسی سے اتارنے کی کوشش کی گئی اور اس کی جگہ لیو شاؤچی یا پنگ چن کو لانے کی کوشش کی گئی یا مشترک حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ بہرحال کچھ بھی ہوا ہو، ماؤ نے فیصلہ کر لیا کہ اب اس کو قدم اٹھانا چاہیے۔ لیو یا تنگ کی تائید کے بغیر ہی (آمرانہ طور سے)، پیکنگ کمیونسٹ پارٹی کی صفائی کر دی گئی[4]۔ پنگ چن اور اس کے ساتھیوں کو نکال باہر کیا گیا۔ اس طرح کے اقدامات

---

[1] کاش پاکستان کے پروفیسر، پرنسپل اور استاد سوشلزم میں اپنی درگت دیکھ کر کچھ سبق سیکھیں۔

[2] اب ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ کرسی کی حفاظت کے لیے بچوں اور طالب علموں سے کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

[3] لیکن باوجود بوڑھے ہونے کے روس کے مشہور خوفناک زار ایفان (IVAN THE TERRIBLE) کی طرح ماؤ نے کرسی چھوڑنا پسند نہ کیا۔ [4] یعنی ماؤ صاحب نے جب کرسی خطرے میں دیکھی تو چینی کمیونسٹ پارٹی کو ختم کرنے کی چال چلی

کو نہ تو پارٹی کے ممبروں نے تسلیم کیا اور نہ پیکنگ کے مزدوروں نے پسند کیا بعض مزدوروں میں ینگ بہت ہر دلعزیز تھا۔ تنگ اور لیو نے دیکھا کہ وہ ان سب باتوں کی تائید نہیں کر سکتے جو ثقافتی انقلاب کے ذریعہ کی جا رہی ہیں۔ ایسی صورت میں ماؤ صاحب کس کو کہہ سکتے تھے کہ میرے ہاتھ مضبوط کرو۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ صوبوں کے پارٹی لیڈر ان کو پیکنگ میں دھمکیاں بھی دے چکے ہیں۔ اب ماؤ صاحب کو اپنی پشت پناہی کے لیے ایک اور نئی طاقت چاہیے تھی۔ یہ طاقت ان کو نزدیک ترین PLA (پیپلز لبریشن آرمی یعنی عوامی آزادی کی فوج) میں مل گئی۔ اس طرح سے لن پیاؤ جو سیاست سے مدتوں بیماری کے نام پر غیر حاضر رہا تھا اس کو دوبارہ سیاست میں آنے کا موقعہ فراہم کر دیا گیا۔ یہ نیا ادارہ ریڈ گارڈ تحریک تھا ...... (ایک استاد کا بیان ہے کہ جس اسکول میں میں پڑھایا کرتا تھا وہاں شرارت کرنے والے بچوں کو کہا جایا کرتا تھا کہ اگر تم شرارت کرو گے تو تم کو ینگ پائنیر میں ممبر شپ نہیں ملے گی۔ یہ ایسی ہی چیز تھی جیسے کہ انگلینڈ میں سکاؤٹ کے بیج ہوتے ہیں۔ یہ لیگ خاص کر ان لوگوں کے لیے ہر وقت کھلی رہتی تھی جو ہر بات پر ماؤ کے انقلابی نعرے لگاتے ہوں چین میں مارکسزم کا علم بہت قلیل تھا اور اب بھی بہت کم ہے۔ یقینی طور پر کسی بھی ممبر کو کسی قسم کی ٹریننگ دے کر پختہ نہ کیا گیا تھا ...... ماؤ اور اس کی مددگار کمیٹی میں چن پوٹا اور لن پیاؤ تھے اور بعد میں قدرے بدطینت مسز ماؤ بھی شامل ہو گئی۔"

"...... یہ لیگ اور یہ ثقافتی انقلاب کے کارکن سوشلسٹ انصاف کے نام سے جو مقدمے بھی قائم کرتے ان میں انصاف کا نام و نشان تک نہ ہوتا تھا۔ ماؤ کے دیرینہ وفادار ساتھیوں کے متعلق غلط نظریے قائم کر کے ان کو ختم کر دیا گیا۔ تنگ ہشیو پنگ نے خودکشی کی کوشش کی۔ پنگ چن اب غالباً مر چکا ہے۔ صرف لیو شاؤ چی کو اس طرح ختم نہ کیا جا سکا، کیونکہ وہ صوبائی پارٹیوں میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ لیو کا نام بھی نہ لیا جاتا، بلکہ یہ کہا جاتا کہ بہت مشہور شخص جو سرمایہ داری کی راہ پر چل پڑا ہے۔"

"بعض نوجوان ایسے بھی تھے جو مفت پاسوں پر سفر کرنے کے بجائے اپنی اپنی جگہ پر رہ کر

اپنے اداروں کو درست کرنا چاہتے تھے"[۱]

"۔۔۔ سنگ کیانگ (مسلمانوں کا علاقہ) میں وانگ این ماؤ کے اپنے ریڈ گارڈ تھے جب پیکنگ سے نوجوانوں کے جتھے پہنچے تو ماؤ کے ان ساتھیوں کو وہاں شہر میں گھسنے نہ دیا گیا اور ان کو پہلی ٹرین سے واپس پیکنگ لوٹنا پڑا۔ پیکنگ میں بھی بہت جگہ مزدوروں نے ان کی مخالفت کی اور پوسٹر لگاتے جن پر لکھا تھا: "یہ طالب علم ڈاکو ہیں ان کو فیکٹری میں داخل ہونے مت دو، ان کو جان سے مار دو"۔ اسی وجہ سے کئی جگہ فسادات بھی ہوئے"۔

"ستمبر میں بظاہر ریڈ گارڈز کو تشدد پر اکسانے کے لیے ماؤ نے کہا کہ تم لوگ نوجوانوں کی مسلح انجمن ہو۔ کانٹن کے قریب کاشت کاروں نے درانتیوں سے مسلح ہو کر ان لاٹھی بردار ریڈ گارڈز کو اپنے کھیتوں سے مار بھگایا۔ ریلوے کے مزدوروں نے ریڈ گارڈز کی غنڈہ گردی کے خلاف ہڑتال کر دی ۔۔۔ آخر کار جنوری ۱۹۶۷ء میں یہ ریڈ گارڈز کمیونسٹ پارٹی کی شمال مغربی سنٹرل کمیٹی کو الٹنے میں کامیاب ہو گئے ۔۔۔ مشکل جب پڑتی تھی جبکہ ہر گروہ لڑکوں کے براڈ کاسٹنگ سسٹم پر قبضہ کی کوشش کرتا تھا۔ کبھی کسی کا قبضہ ہوتا تو کبھی کسی کا ۔۔۔ اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپس کی دشمنی بڑھ گئی"۔

جب ماؤ کا مقصد حل ہو گیا اور پرانے کمیونسٹوں کی طاقت اور تعداد کو تشدد سے ختم کر کے رکھ دیا گیا تو طالب علموں کو واپسی کا حکم ملا۔ چنانچہ مصنف لکھتا ہے:

"آخر کار طالب علموں کو کہا گیا کہ وہ صنعتی پیداوار میں مداخلت نہ کریں اور دیہات میں جا کر خزاں کی کٹائی میں کاشت کاروں کی مدد کریں۔ بعض نے ماؤ اور لن کی ہدایات پر عمل کیا۔

---

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ ماؤ صاحب نے نوجوانوں کو مفت پاس بھی جاری کر دیے تھے تاکہ وہ ہر جگہ ہلڑ مچا کر ماؤ صاحب کا پروپیگنڈہ کریں اور جو ان سے اختلاف رائے رکھتے ہوں ان کی بے عزتی کریں ان کو ماریں پیٹیں اور گالیاں دیں۔ اندازہ کیجیے کہ اگر حکومت پاکستان تمام کالج اسکول بند کر کے طالب علموں کو ریلوے اور بسوں کے مفت پاس جاری کر دے اور ان کو من مانی کرنے کی اجازت دے دے تو کیا ہوگا۔

لیکن دوسرے لوگوں نے اپنے دیوانہ پن کو جاری رکھا۔ ۱۹۶۷ء میں یونیورسٹیوں اور اسکولوں کو کھولنے کا ارادہ کیا گیا لیکن بہت سی جگہوں پر ایسا کرنا ناممکن ہو گیا طالب علم سفر کر کے دُور دراز کے علاقوں میں پہنچ چکے تھے، اور استاد اپنی نوکریوں پر واپس آنے سے خوفزدہ تھے بہت سے اسکول اسی گڑبڑ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ استادوں کی بہت بھاری تعداد کو فرار ہونا پڑا تھا"

تعلیمی انحطاط | ۱۹۶۷ء کے درمیانی زمانہ میں طالب علموں اور اسکول کے بچوں کی تعداد میں سرکاری طور پر کمی کر دی گئی . . . . اب نئی سرکاری سکیم جو سامنے آئی وہ یہ تھی کہ سب سے اوّل مقام فوج کو حاصل تھا۔ دوسرے نمبر پر ریڈ گارڈز کا درجہ تھا۔ اور پارٹی جس کو اب زیادہ بُرا نہیں کہا جاتا تھا اس کو تیسرے درجہ پر رکھا گیا . . . . بہت سے پارٹی ممبر جن کو ریڈ گارڈز نے نکال باہر کر دیا تھا ان کو دوبارہ داخل کر لیا گیا۔ چواین لائی نے نوجوانوں کو بتایا کہ چن ژی (وزیر خارجہ) قسم کے لوگ اچھے تھے اور اب ان کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہیے"

". . . . اِس مضمون کے لکھنے کے وقت یہ صحیح معلوم نہیں کہ ثقافتی انقلاب میں کون جیت رہا ہے۔ ثقافتی انقلاب میں . . . . نوجوانوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسایا گیا۔ مخالف پارٹی جو کہ طاقتور تھی اس کو اپنی بات کہنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا تھا، ریڈ گارڈز کو اپنے اخبارات کے چھاپنے کی اجازت تھی لیکن مخالفین کو کوئی اخبار چھاپنے کی اجازت نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عوام ماؤ کے حق میں ہوتے تو کلچرل انقلاب اور ریڈ گارڈز کی ضرورت ہی پیش نہ آتی"[1]

تشدد کا دَور دورہ اور معاشی بدحالی | تعجب تو اس بات کا ہے کہ ہمارا دوست ملک یعنی چین سٹالن کے زمانہ تک روس کا دوست رہا اور بعد میں اس کا مخالف ہو گیا۔ اب تک وہ سٹالن کی تعریف میں

[1] NEW REVOLUTIONARI'S EDITED BY TARIQ ALI PP 119-29

رطب اللسان ہے اور اس کی پالیسیوں کو سراہ رہا ہے۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود چین کے عوام آج کل کس دَور سے گزر رہے ہیں۔ شاید موجودہ لیڈروں کے بعد کسی وقت اصل حالات نئے لیڈروں کے ذریعہ منکشف ہوں جس طرح سٹالن کے بعد ہوئے۔

حال ہی میں روس سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے DEVELOPMENTS IN CHINA۔ یہ کتاب پروگریس پبلشرز ماسکو نے چھاپی ہے۔ اس کتاب کا مصنف PROF. M SLDKOVSKY لکھتا ہے کہ "جنوری ۱۹۶۷ء میں بہانہ بنا کر ملک پر فوج کا قبضہ کرا دیا گیا۔ یعنی مارشل لاء لگا دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں پارٹی کی تنظیم اور عوامی طاقت کے ترجمانوں کے خلاف فوج کو بھیجا گیا" (ص ۸) "بہت سے شہروں میں خاص خاص فیکٹریوں میں فوج کا کنٹرول ہے۔ (صفحہ ۹) "ماؤ گروپ کے لوگ پھر انہی کاشتکار دشمن پالیسیوں پر عمل کر رہے ہیں جن کی وجہ سے پہلے بھی عوام ناگفتہ بہ مصیبتوں اور تکالیف میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اب ثقافتی انقلاب کے نمائندے نعرہ بازی سے آگے نکل کر نمائشی مقدموں پر آگئے ہیں اور ہر اُس شخص کو گولی مار دیتے ہیں جو ان کی بات نہ مانے" (صفحہ ۱۲) "آج بہت سے لیڈر جن پر حملہ کیا جا رہا ہے وہ ماؤ صاحب کے پرانے رفیق اور مددگار رہیں[1]" (صفحہ ۱۴) "کاشتکاروں کی زمین تو بغیر کسی معاوضہ کے کوآپریٹو کی ملکیت بنا دی گئی مگر اس کے برعکس فیکٹریوں اور دکانوں کے سابق مالکان کو ان کے حصص کی قیمت پر اب بھی ۵ فی صد سود مل رہا ہے" (صفحہ ۲۲)۔ غلط پالیسیوں اور مظالم کا یہ نتیجہ ہوا کہ پیداوار گر گئی ... ۱۹۶۵ء میں پیداوار ۱۹۵۹ء کے مقابلہ میں ۲۶ فیصد کم تھی" (صفحہ ۳۰) "چین میں غلہ کی کڑی راشننگ ہے۔ ۱۹۶۰ء سے چین ۵۰ سے ۶۰ لاکھ من غلہ باہر سے منگواتا ہے جو کہ اس کی کل درآمد کا ۳۰ فیصد ہے" (صفحہ ۳۱)

"آج چین قریب قریب مکمل طور پر نہ صرف صنعتی مشینوں اور پرزوں کے لیے بلکہ خوراک کے معاملہ میں بھی سرمایہ دار ملکوں پر انحصار کرتا ہے" (صفحہ ۳۲)

---

[1] گویا چین سٹالن کی راہ پر گامزن ہے اور یہ بات سٹالن کو ہیرو سمجھنے کا منطقی نتیجہ بھی ہے۔

یہ تمام کتاب ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ہم ناظرین کو اصل کتاب کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور اپنے دوست ملک چین کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سوشلسٹ نظام تو آزما چکا اب اس کے عوام اسلامی نظام پر عمل کر کے اپنے حالات کو سدھاریں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ حضرات جو چینی نظام یہاں درآمد کر کے پاکستان کو اس انجام سے دوچار کرنا چاہتے ہیں، چین تشریف لے جا کر وہاں کے کارفرماؤں کے سامنے اسلام پیش کریں اگر وہ واقعی ان کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔

قوموں کے عروج و زوال۔ انقلاباتِ عالم کے داخلی اور خارجی محرکات۔ تہذیب و تمدن کی ترقی و انحطاط کے بارے میں مغربی مفکرین شپنگلر، ہیگل اور مارکس نے جو کچھ کہا ہے اس کی فکرانگیز تصریح اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا تجزیہ۔

عبد الحمید صدیقی کی انگریزی کتاب

A PHLOSOPHICAL INTEPRETATION

OF HISTORY

تاریخ کی فلسفیانہ تعبیر میں ملاحظہ فرمائیے

قیمت دس روپے

مکتبہ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور سے طلب فرمائیے